

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

چند دفعہ ہوئے مجھے میرے رفقا ایک ایسی محفل میں گھسیٹ کر لے گئے جس میں چند جدید نوجوانوں کے علاوہ ادھیڑ عمر کے ایک دو غیر ملکی بھی شامل تھے۔ ان سب حضرات کے افکار و نظریات میں گروہی ہم آہنگی نہ تھی مگر ان میں ایک قدر مشترک ضرور نظر آئی اور وہ تھی فلسفہ سے دلچسپی۔ ان سب کے سوچنے کے انداز اور غور کرنے کے طریقے بالکل فلسفیانہ تھے۔

یہ سب حضرات چونکہ جدید طبقہ سے تعلق رکھنے والے تھے اس لیے مجھے اس امر کا یقین تھا کہ جب بھی مذہب پر بحث شروع ہوگی تو یہ حضرات اسلام کے بارے میں وہی چلتے ہوئے فقرے کہیں گے جو اس گروہ کا ایک شیوہ سا بن گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اسلام ترقی کی راہ میں کاٹا ہے، پروردہ تو دورِ جاہلیت کی یادگار ہے، سُنود کے بغیر وسیع پیمانہ پر کاروبار کس طرح ہو سکتا ہے؟ قیامت، حشر و فتنہ سب اعتباری باتیں ہیں جو جاہل لوگوں کو سرگرم عمل کرنے کے لیے کہی گئی تھیں، ضبطِ تولید و زنت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اس دور میں تعددِ ازدواج کا ذکر کرنا تہذیب و شائستگی کا منہ چڑھانا ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی اور حج کے لیے بیت اللہ جانا سب قومی دولت کا زیاں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ان حضرات نے اس قسم کی کوئی بھی بات نہیں کی بلکہ اسلام کے متعلق بالکل دوسری نوعیت کے سوالات اٹھائے۔ ان سوالات میں گو فلسفہ کا رنگ غالب تھا لیکن ان میں بھی تہذیب و باطنی تعیش کی ہی کوئی جھلک نظر آئی اور نہ ہی ذہنی بازیگری کا کوئی شائبہ تک محسوس ہوا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے عرض کیا اُسے انہوں نے لازمی طور پر قبول ہی کر لیا ہو گا لیکن مجھے ان حضرات کی ایک چیز نے ضرور متاثر کیا اور وہ ان کی سنجیدگی تھی۔ انہوں نے اپنے سوالات

بڑے وقار اور متانت کے ساتھ پیش کیے اور پھر گزارشات کو بھی بڑے تحمل اور سکون کے ساتھ سنا۔ دوران گفتگو میں بھی انہوں نے کوئی ایک فقرہ تک بھی ایسا نہ کہا جس میں طنز و تعریض کی چٹھن محسوس ہوتی ہو۔

ذہن میں اس وقت وہ سارے الفاظ محفوظ نہیں جن میں ان حضرات نے اسلام کے متعلق اپنے شکوک و شبہات پیش کیے لیکن ان سب کا خلاصہ یہ تھا: اسلام کی پوری تاریخ لڑنے مرنے کی تاریخ ہے۔ جنگجو انسانوں کا ایک ٹولا تھا جو عرب کے ریگستانوں سے اٹھا اور اُس نے پستی شہت اور بہادری کے زور سے آن کی ان میں سلطنتوں اور مملکتوں کو مرنے لگوں کر دیا۔ اسلام نے دنیا کو کوئی نئی قدر نہیں دی۔ اس نے نہ تو کسی نئی تہذیب کی بنیاد رکھی ہے اور نہ ہی کسی نئے تمدن کے خطوط متعین کیے ہیں۔ اس دین کے ماننے والوں میں روحانیت کی وہ غیر معمولی کشش نظر نہیں آتی جو بعض دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں دکھائی دیتی ہے۔ قریب قریب یہی وہ شبہات تھے جو تھوڑے بہت لفظی تغیر کے ساتھ مختلف حضرات کی طرف سے پیش کیے گئے۔ ان صفحات میں ہم آج انہی کے متعلق چند بنیادی باتیں عرض کریں گے۔

مسلمانوں کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے لڑنے مرنے کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا کام ہی نہیں کیا ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جسے مغربی "شیشہ گر" بعض ناپاک مصالح کی غرض سے صدیوں سے پھیلارہے ہیں۔ چونکہ ہر لڑائی عام طور پر فتنہ و فساد اور قتل و غارت کے تصورات ابھارتی ہے اس لیے بڑی عیاری کے ساتھ مغربی مفکرین اور رادابادان لڑائیوں کا ذکر کر کے اہل دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ قوم جسے ملت اسلامیہ کہا جاتا ہے ایک بڑی ستھاک اور عظام قوم تھی جس کے پیش نظر دنیا کی ساری اچھی قدروں کو صفرِ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ اتنی بڑی زیادتی ہے کہ پوری تاریخ میں اس کی دوسری نظیر نہیں مل سکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان دوسری قوموں کے خلاف صف آرا ہوئے اور کچھ کام انہوں نے ایک مقدس دینی فریضے کے طور پر ادا کیا۔ لیکن اس ضمن میں یہ ذہن نشین رہے کہ یہ ساری جنگیں ایسی نہ تھیں جنہیں سرسرا سلام کی تائید حاصل رہی ہو۔ مسلمانوں نے اگر کوئی جنگ محض کشمکش یا اپنی جرات و مردانگی دکھانے کے لیے کی ہو تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسلام نے جس جنگ کو جہاد کہا ہے اور جس کے لیے اُس نے مومنین کو جنت کی بشارت دی ہے وہ صرف وہی جنگ ہے جس کے پیچھے رضائے الہی کے حصول کا جذبہ کارفرما ہو اور جو صرف اسلام کی اتھارہ حیات کی حفاظت اور پاسبانی یا آن کی ترویج و اشاعت کے لیے لڑی جائے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی تصریح مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ	حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ
قال سئل رسول اللہ علیہ وسلم عن الرجل	صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا
یقاتل شجاعة و یقاتل حمیة و یقاتل	جو بہادری کے لیے یا سمیت کے لیے یا دکھا دے
ریاذاً ای ذلک فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ	کے لیے جہاد کرے اس میں اللہ کے راستے میں کوشا
صلی اللہ علیہ وسلم من قاتل لتکون کلمة	ہے آپ نے فرمایا اللہ کا بول بالا کرنا ہی صرف
اللہ ہی العلیا فهو فی سبیل اللہ متفق علیہ	اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔

آپ صرف اس فرمانِ رسول کو ملاحظہ کیجیے، ما دیکھیے کہ کتنا عظیم فرق ہے اُس جہاد میں جس کی تعلیم خدا کا رسول دیتا ہے اور اس جنگ و جدال میں جو مغرب و مشرق کی بے شمار قوموں نے اپنی ذاتی اغراض کے لیے روا رکھا ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کی ہر ایک لڑائی کو اسلام کے سرخون پینا نہ صرف دینِ حق کے ساتھ سخت نا انصافی ہے بلکہ یہ طرزِ فکرِ علمی و یانت سے بھی بہت فروتر ہے۔ ہر قوم کے عہدِ زوال میں اُس کے اُسیدیل اور عمل کے درمیان اختلاف کی جو وسیع نیلج حاصل ہو جاتی ہے اُس کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس قوم کے اساسی تصورات پر حکم لگانا قطعاً صحیح نہیں ہو سکتا۔

لیکن ہمارے نامدین بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کے تمام بُرے اعمال کو اسلام کے کلمات میں ڈال دیتے ہیں۔ مسلمان بلاشبہ اسلام کی محبت کا دم بھرنے والے ہیں لیکن ان دونوں میں بہر حال ایک فرق ہے جو ہمیں بہت قدم پر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ جہاد کے بارے میں اسلام کی محولہ بالا تعلیم کو دیکھیے اور پھر ان فرمودات پر ایک نگاہ ڈالیے جو مغربی قوموں کے بیشتر مفکرین نے اس سلسلہ میں پیش کیے ہیں تو آپ کو اسلام کا انمیا ز خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ دنیا کی کوئی ایسی جنگ ہے جس میں اتنی بے غرضی اور اتنی بے نفسی کی تلقین کی گئی ہو جتنی تلقین کہ اسلام کرتا ہے۔ پھر اسلام نے محض تلقین پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کے ایسے بے لوث سپاہی بھی پیدا کیے جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے شمشیر بکف ہیں۔ تاریخ ان مجاہدین کے کارناموں سے بھری پُری ہے۔ اسلام نے جو رہنمائی اونچی ہستیاں پیدا کی ہیں ان کے ایتیار اور بے نفسی کا میں اس وقت تذکرہ نہیں کرتا بلکہ میں عام مسلمانوں کے احساسات کے صرف دو واقعات بیان کرتا ہوں جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ کس غرض سے دنیا میں لڑنے کے لیے نکلتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی شرکت کے لیے منادی کرائی تو حضرت وائلہ بن اسفیح تمام مدینہ میں لپکارتے پھرے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے جو اپنی غنیمت کا حصہ اس کے صلے میں دینے کے لیے تیار ہے؟ ایک بڑھے انصاری نے جواب دیا کہ میں دیتا ہوں، وہ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کے حصہ میں چند نوجوان اذنیان آئیں اور انہوں نے اذنیان لاکر انصاری بزرگ کے سامنے کھڑی کر دیں۔ وہ بولے، ذرا ادھر ادھر پھیر کے دکھاؤ۔ انہوں نے کہا شرط کے مطابق تو یہ آپ ہی کی ہیں۔ بولے اپنی اذنیان لے جاؤ، ہمارا مقصد تمہارا یہ حصہ لینا نہ تھا بلکہ کچھ اور ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بد و ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن آپ نے اس کو بعض صحابہ کے سپرد کر دیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا۔

لیکن جب ایک غزوہ میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور آپ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اُس نے کہا: "میں اس لیے ایمان نہیں لایا۔ میں اس لیے حلقہٴ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلقوم میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔ تھوڑی دیر بعد معرکہ کارزار گرم ہوا تو ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا۔ صحابہ کرام لاش کو آپ کے سامنے لائے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے خدا کی تصدیق کی اور خدا نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ یہ لیکر آپ نے خود اپنا جبہ کفن کے لیے عنایت فرمایا۔

ان پاکیزہ احساسات کو دیکھیے اور پھر ذرا ان کا مقابلہ ان وحشیانہ اور انسانیت کش جذبات سے کیجیے جن کے سخت جاہلیت افراد یا اقوام کو لڑنے مرنے پر ابھارتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بات بلا خوف تردد کہی جاسکتی ہے کہ جنگ کے وہ سارے بین الاقوامی قوانین جن کی تمہیں احترام آدمیت کا حیدرہ کار فرما ہے وہ سب انہیں لوگوں کی جوتیوں کا صدمہ ہے جنہیں یہ مغربی حضرات "جنگجو" اور "نہذب و تمدن سے عاری سمجھتے ہیں۔"

اسلام کے باسے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس نے دنیا کو کوئی نئی تہذیب نہیں دی، یہ بھی ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اسلام مجبور ہے ان ساری سچائیوں کا جن سے خالق کائنات انسان کو آشنا کرنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے اس میں دنیا کے ہر مذہب کے مفید اور صالح عناصر کسی نہ کسی شکل میں شامل ہیں اور عیسائیت کی تو بہت سی چیزیں اس میں موجود ہیں۔ یہ چیز جسے اہل مغرب اس کے کمزور اور ناقص ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں درحقیقت اس کی حقانیت اور سچائی کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ مغربی ذہن جو اس کی قدر و قیمت پہچاننے سے قاصر رہا ہے تو اس کی کچھ دوسری وجوہ ہیں۔ ایک بڑی وجہ تو وہ تعصب ہے جو صلیبی جنگوں کی وجہ سے صدیوں سے چلا آ رہا ہے لیکن اس کے علاوہ اس کے بعض نفسیاتی وجوہ بھی ہیں۔ مغرب جس مذہب سے آشنا ہے وہ چند عوارق عاداتہ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ خارجی دنیا میں چونکہ اس کے

گرد و پیش سامنس کی ایجادات و اکتشافات کا ایک لافنا ہی سلسلہ جاری ہے اس لیے نئے پن کی تلاش و جستجو اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس بنا پر اس کے نزدیک وہی مذہب سچا ہے جو اس کی عجائب پسند طبیعت کے لیے تسکین کا سامان فراہم کر سکے اور اسلام میں چونکہ یہ چیز نہیں پائی جاتی اس لیے وہ اس کی صحیح قدر و قیمت بھی جاننے سے قاصر ہے۔ مغرب میں اگر کوئی شخص مذہبی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کو خیر باد کہہ کر ویرانوں میں چلا جائے۔ اور اگر وہ دنیا دار ہے تو پھر اس کا فرض ہے کہ وہ مادی دنیا میں کچھ انس و سم کے محیر العقول کارنامے انجام دے جن سے لوگ اس کی طرف فوراً متوجہ ہو جائیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بنائے۔ تباہی و بربادی کے نئے نئے طریقے دریافت کرے۔ سہوا میں اڑنے اور سمندر میں تیرنے کے نئے نئے ریکارڈ قائم کرے۔ الغرض زندگی کے ہر معاملہ میں خواہ وہ روحانی ہو یا دنیاوی، جب تک کہ وہ کوئی غیر معمولی کام نہیں کرتا وہ کسی توجہ کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔ جس قوم کی ذہنی ساخت کا یہ عالم ہو وہ اُس دین کے احسانات کیونکر جان سکتی ہے جس نے انسانیت کو عجائبات کے گورنر کے طور سے نکال کر حقائق کی روشنی میں آباد کیا ہے جس نے انسانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ تم کسی ویرانہ میں انسانی رشتوں کو منقطع کر کے نہیں مٹا بلکہ اُس کی محبت زندگی کے عین منجد صہار میں رہ کر، معاشرتی ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدر کر، حاصل ہوتی ہے۔

اسلام اور غیر اسلام کے درمیان اس بات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس کے آپ معمولی نہ سمجھیے بلکہ وہ سب سے بڑا حجاب ہے جو دین حق کے قبول کرنے میں ہمیشہ سے مانع رہا ہے۔ ایک بیجان اگیز طبیعت یہ باور نہیں کر سکتی کہ کوئی شخص روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر بھی فائز ہو اور پھر وہ ایک عام آدمی کی سی زندگی بسر کر رہا ہو۔ کفار مکہ کے لیے بھی یہی چیز پریشان کن تھی اور اسی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے

اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ قرآن نے ان لوگوں کے اعتراضات کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تلمیحاً فرمایا ہے:

وَخَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي
فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أُنزِلَ
إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ
مَعَهُ سَدِيقًا - أَوْ يُكَلِّمَهُ
إِلَيْهِ كَمَا تَكُونُ لَهُ
حَبْنَةُ يَأْكُلُ مِنْهَا -
(الفرقان - ۱)

اور یہ لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کی نسبت
یوں کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کدو
رہجاری طرح ا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں
میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی
ایسا فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جس
کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ٹھنڈا، یا اس
کے پاس دغیبے، کوئی خزانہ آجائیا یا اس
کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ بچلے
کھایا کرتا۔

یہی چیز آج بھی قبولِ حق کی راہ میں حائل ہے۔ غیر مسلم جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس قوم
کے سب سے بڑے آدمی وہ تھے جنہوں نے شادیاں کیں، کاروبار کیے۔ دشمنوں کے
خلاف تمشیر اٹھائی اور ایک عام انسان کی سی زندگی نہ صرف خود بسر کی بلکہ دوسروں کو
بھی اس کی تلقین فرمائی تو ان پر یہ چیز گراں گذرتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو سراسر
مادیت ہے۔

بالکل اسی قسم کی الجھن مادیت پرستوں کو بھی پیش آتی ہے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوتے
ہیں کہ یہ قوم جس دور کو اپنا سنہری زمانہ تصور کرتی ہے اُس میں نہ تو بڑی بڑی عمارتیں تعمیر
کی گئیں، نہ ہی قصے و سرود کی مغلیں سجائی گئیں، نہ ہی آرٹ کو ترقی نصیب ہوئی اور نہ
ہی دنیاوی فوائد و لغات کے جمع کرنے کا کوئی اہتمام کیا گیا۔ اور جس دور میں یہ سارے

انتظامات ہوئے اسے یہ قلت کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ اسے اپنی تاریخ کا تاریک صفحہ خیال کرتی ہے۔ مغرب کے لیے یہ ایک ایسا معتمد ہے جسے وہ حل نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ طنز یہ لہجے میں یہ لپکار اٹھتا ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب ایک لوٹے اور ٹٹی کے چند حیلوں کے علاوہ آخر اور ہے بھی کیا اور یہی اس تمدن کے امتیازی نشانات ہیں۔

کوئی شخص اگر ان سطحی معیارات پر اسلامی تہذیب کی قدر و قیمت معلوم کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ سخت ناکام رہے گا۔ اسلام نے جس تہذیب کی بنیاد رکھی ہے جس کی کوہِ عیت بالکل دوسری ہے اور اس نے تمدن کے جو نقوش اپنے پیچھے چھوڑے ہیں ان کی حیثیت بھی مغربی تمدن کے خطوط سے یکسر مختلف اور جداگانہ ہے۔ جس طرح اُس نے افراد کے اندر یہ شعور اور احساس بیدار کیا ہے کہ وہ اپنی مادی زندگی کو اسلام کی اقدارِ حیات کے تابع کر کے اُسے خالص روحانی زندگی بنا لیں بالکل اسی طرح اُس نے اجتماعی طور پر بھی انسانیت کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اینٹ اور پتھر کی عمارتیں ٹھنڈے کی بجائے نرفرت اور اخلاق کے قلعے تعمیر کرے۔ اس بنا پر اس کے تہذیبی کارناموں کو کوئی انسان سنگِ خشت میں نہیں ڈھونڈ سکتا۔ بلکہ اگر ان کی عظمت کا اندازہ لگانا مقصود ہو تو اسے ذرا اُن مقدس زندگیاں پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے جو حقیقت میں اس تہذیب کے شاہکار ہیں۔ اس تہذیب نے مصوری اور سنگ تراشی کی بجائے "سیرت، سازی" پر اپنی ساری توجہ صرف کی اور اسی کے نقوش آج بھی انسانیت کا سب سے زیادہ بیش قیمت ورثہ ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص ان تہذیبی خزانوں کو چھوڑ کر پتھروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُسے مایوسی ہوتی ہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ایک انسان جو فنی جہاز رانی میں ماہر ہے اُس کی استفادہ کار اگر کوئی بیوقوف اکھاڑے میں دیکھنا چاہے تو یہ اُس کی اپنی حماقت ہے، اس سے اس جہاز ران کی قابلیت اور مہارت پر

کوئی حرف نہیں آتا۔

ہمارے نزدیک تمدن کی اصل جگہ انسان کا دل و دماغ ہے اور تہذیب سے مراد وہ اندازِ زندگی ہے جو ایک خاص قسم کے سیرت و کردار پر منتج ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص ہمارے تہذیبی سرسٹے کی قدر و قیمت معلوم کرنا چاہتا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کے اُن اعلیٰ نمونوں کی زندگیوں کا جائزہ لے جنہیں اسلام نے اپنی آغوش میں پالا ہے اور پھر ان کا موازنہ ان لوگوں سے کرے جن کے افکار و احساسات کی تہذیب مغرب نے صورت گری کی ہے۔ وہ چیزیں جو ہمارے دین کی عینِ حند میں اور جن سے اسلام بہرِ قدم پر اظہارِ برادرت کرتا ہے انہیں اسلامی تہذیب میں خواہ مخواہ شامل کر کے اُن کے بارے میں کوئی حکم لگانا ایک متعصب اور رنگ نظر انسان کا شغف تو ہو سکتا ہے لیکن یہ بات اس شخص کے علمی مرتبہ سے فر دتر ہے جو دیا ناً اسلامی اقدار کی قدر و قیمت معلوم کرنے کا متمنی ہو۔

مستشرقین نے اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں جس قدر خامہ فرسائی کی ہے وہ اس دور سے متعلق ہے جو دینی اعتبار سے مسلمانوں کا عہدِ زوال تھا۔ اسلام جن منکرات کو دنیا سے مٹانے کے لیے آیا تھا اُن کا نہ صرف معاشرے میں عام حلپن تھا بلکہ حکومت اُن کی پوری طرح سرپرستی بھی کر رہی تھی۔ ایسے عیاش بادشاہوں کے تذکرے مغربی مؤرخین بڑے مزے لے لے کر کرتے ہیں اور انہیں اسلامی تہذیب و تمدن کے موستسین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا جاتا ہے تو یہ پرے درے کی بددیانتی ہے

اور اگر یہ محض لاعلمی کا نتیجہ ہے تو پھر یہ بڑی ہی قابلِ رحم حالت ہے۔ کسی دین کی اقدار کو جانچنے کا صحیح اور فطری طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس دین کی بنیادی تعلیمات دیکھی جائیں۔ پھر ان انسانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے جنہوں نے ان تعلیمات کو عمل کے سانچے میں ڈھالا اور اس کے بعد ان اثرات کا جائزہ لیا جائے جو انہوں نے انسانی معاشرہ پر مرتب کیے۔ اس کے علاوہ جو دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا اس سے صحیح نتائج کبھی بھی برآمد نہیں ہو سکتے۔

اس کے علاوہ جو لوگ کسی دین کے برحق ہونے کا واحد معیار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ نوح انسانی کو کچھ نئی اقدار حیات دے وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اقدار حیات کے اندر کچھ اس طرح کا نیا پن تلاش کرنا کہ اُس کی نظیر کبھی دوسری جگہ نہ ملتی ہو مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اقدار سے مراد وہ رشتہ تناسب ہے جو ایک مذہب یا دین زندگی کے مختلف شعبوں کے درمیان قائم کرتا ہے۔ اور یہ رشتہ ہر اس نظام حیات میں الگ اور جداگانہ ہوتا ہے جو اس دنیا میں ایک جمہ گیر اور مکمل انقلاب لانے کا دعویٰ یا رہنمائی اس اعتبار سے اسلام کی اقدار دوسرے ادیان کی اقدار سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں کوئی چیز مشترک نہیں لیکن اسلام چونکہ جن شعبوں کو آپس میں مربوط کرتا ہے وہ دنیا ہی کے مختلف گوشے میں اس لیے بعض سطح بین لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام یا دوسرے مذاہب میں کوئی فرق نہیں۔

ہم اس حقیقت کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ دنیا کے سارے مذاہب میں آخرت کا ایک تصور پایا جاتا ہے اور یہ تصور اسلام میں بھی ہے۔ اس لیے بعض لوگ فوراً یہ کہتے ہیں کہ آخر اسلام نے ہمیں کوئی نئی چیز دی ہے۔ اسی طرح اسلام میں اس کا رگہ حیات میں جدوجہد کرنے کی تلقین کرتا ہے اور یہی تلقین چونکہ مادیت بھی کرتی ہے اس لیے بعض لوگ

اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ اسلام کا اس باب میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ یہ دینِ ہدایت ہی کی ایک شاخ ہے۔ یہ حضرات علم و فکر کے بڑے بلند بانگ و عمودوں کے باوجود اس سادہ سی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخرت، حشر و نشر، زندگی، اس کے فوائد و لذت اور ان کے لیے جدوجہد حیاتِ انسانی کے منفرد اور غیر مربوط شعبے نہیں بلکہ ان کے درمیان ایک مضبوط رشتہ تناسب موجود ہے اور اسی سے اقدارِ حیات معروضِ چوڑ میں آتی ہیں۔ اسلام نے ان کو جس طرتی سے آپس میں جوڑ رکھا ہے اُس کا اہواز بالکل الگ اور جداگانہ ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے۔ اس لیے جو شخص یہ دیکھنے کا آرزو مند ہو کہ اسلام نے انسانیت کو کونسی نئی اقدارِ حیات دی ہیں اسے ایک مسلمان کے فکر و عمل کے خارجی مظاہر پر نگاہ رکھنے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام نے زندگی کے ان مختلف شعبوں کے درمیان جو رشتہ قائم کیا ہے کیا وہ کسی دوسرے مذہب یا دین میں بھی ملتا ہے۔ اگر آپ اس نقطہ نظر سے اسلام کا جائزہ لیں تو آپ کو خود بخود اس کا امتیاز معلوم ہو جائے گا۔

باقی رہی یہ بات کہ اسلام کی بعض اقدار دوسرے مذاہب کی اقدار سے بظاہر ملتی جلتی ہیں، یہ بھی محض فریبِ نظر ہے۔ اشتراک اگر کچھ نظر آتا ہے تو وہ اقدارِ حیات میں نہیں بلکہ میدانِ عمل ہے۔ اس اشتراک کی نوعیت بالکل اُسی طرح کی ہے جس طرح کبھی کبھی ریل کا سفر کرتے ہوئے انسان بعض لائنوں کو ساتھ ساتھ بھاگتا ہوا دیکھتا ہے مگر اس سے کبھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ان سب کی منزلِ مقصود بھی ایک ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب یا ادیان کے مابین جو اختلاف پایا جاتا ہے، سہمی و عمل کے خارجی مظاہر کا نہیں بلکہ اُن محرکات کا ہے جو ان کے پیچھے کام کرتے ہیں۔ گرس اور شاپین کو اگرچہ خاطرِ استقامت نے پرواز کے لیے ایک ہی فضا مہیا کی ہے لیکن فضا کے اس اشتراک کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ دونوں کے جہان بھی ایک ہیں

بہت بڑی حماقت اور کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔

آئیے اب ایک نگاہ ذرا اسلام کے اُن پہلوؤں پر ڈال لیں جن میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر امتیاز حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے خدا کے تصور کو ہی لیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مذہب اپنے پیروؤں کو ایک بلند و بالا ذات کا شعور اور احساس دیتا ہے مگر اس احساس کے پیچھے جو جذبہ کار فرما ہے اُس کا اگر آپ تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ احساس کوئی ایجابی قوت نہیں بلکہ محض انسان کی اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اعتراف ہے۔ وہ خدا کو اس لیے نہیں مانتا کہ یہ قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے بلکہ اس پر صرف اس وجہ سے اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اس طلسم کو سمجھنے سے قاصر ہے جو ایک وسیع و عریض کائنات کی صورت میں اس کے گرد پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ دنیا کی غیر مسلم قومیں جس وقار سے فطرت کے راز ہائے سر بستہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں اسی نسبت کے ساتھ خدا پر ان کا ایمان بھی منزلزل ہو رہا ہے اور تھوڑی سی طاقت حاصل ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو خدائی کے منصب پر فائز کر لیا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں اگر ایک طرف خدا کی ہستی کا اقرار اپنی در ماندگی اور بے چارگی کا اعتراف ہے تو دوسری طرف وہ ان کے نزدیک قوت و طاقت کا واحد سرچشمہ بھی ہے۔ اسی کی بدولت اُسے یقین کے لازوال محرکات عمل حاصل ہوتے ہیں جو اس کی خودی کی ترقی کے ضامن ہیں، اور یہی اعتقاد اُس کے اندر کچھ بونے

کی تمنا اور اپنی صلاحیتوں کو ایک راہ پر لگانے کا جذبہ ابھارتا ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کو کوئی سہم سم نہیں سمجھتا جس سے کائنات کی اس طلسم گاہ کے در کھولنے کا کام لیا جائے بلکہ وہ اُسے زندگی کے سارے گوشوں میں ایک رہنما قوت تسلیم کرتا ہے۔ یہ اُس کا لفظ آغاز بھی ہے اور لفظ انتہا بھی۔ اُس کی پوری زندگی اسی ایک محور پر گھومتی ہے اور جتنے اخلاقی احکام اور تمدنی قوانین ہیں سب اسی ایک مرکز سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے اس کا مصدر اور مرجع خدا کی ذات ہے۔ مسلمان اگر زندگی کے پریشان کن لمحات میں اس کی استعانت اور مدد کا محتاج ہے تو وہ اس وقت بھی اُس کی رہنمائی کا دست نگر ہے۔ جب مسرت و شادمانی اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوں جو خدا اس کا خلوتوں میں دمساز ہے وہی جلو توں اور اجتماعی زندگی کے ہنگاموں میں بھی اس کا کارساز ہے۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جسے تسلیم کر کے ایک مسلمان اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اسلام کو جو چیسز دوسرے تمام مذاہب و ادیان سے میسر اور امتیاز کرتی ہے وہ یہی ہے کہ اُس نے صفات باری کا صحیح، مکمل اور مفصل علم بخشا ہے اور پھر اسی علم کو ایمان بلکہ اصل ایمان بنا کر اس سے تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال، نشر خیر و منع شر اور بنا و تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے جو دنیا کے کسی مذہب و ملت نے نہیں لیا۔

خدا کے اس تصور سے اگر ایک طرف انسانوں کے اندر وسعت نظر، عزت نفس، اکنسار و تنخس، شجاعت بردباری، صبر و توکل اور جہالت و اطمینان پیدا ہوتا ہے تو اس سے دوسری طرف دین و دنیا کی وہ دوئی بھی مٹی ہے جس نے اس کائنات

کے اندر ایک زبردست فساد پھیلا رکھا ہے۔ اس سے پھر ایک ایسی طاقتور روحانیت جنم لیتی ہے جو زندگی کے سارے گوشوں پر محیط ہے۔

آخر سوچیے کہ روحانیت ایک نہایت ارفع و اعلیٰ چیز ہونے کے باوجود اس دنیا میں خیر کو کیوں ایک غالب قوت بنانے میں ناکام رہی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دنیا میں جتنے مذہبی اور روحانی آدمی تھے وہ دنیا اور اس کے مسائل سے بے تعلق ہو گئے۔ بلکہ ان کی اس لاتعلقی کو ہی ان کی روحانیت کی سب سے بڑی دلیل سمجھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوت کے سرچشموں پر وہ لوگ قابض ہوئے جو نہایت ذلیل قسم کے دنیا پرست تھے اور انہوں نے پوری انسانیت کو اپنی اغراض کا پھینٹ چڑھا دیا۔ اسلام میں چونکہ خدا کا اقرار محض انسان کی دماندگی اور بیچارگی کا اعتراف نہیں بلکہ قوت و طاقت کے سرچشمہ پر یقین بھی ہے اس لیے ایک مسلمان مادی زندگی سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ امور دنیا میں پوری پوری دلچسپی لے کر انہیں اس طریق سے طے کرتا ہے وہ خاصہ مدافعی اور اہل مافیٰ اعمال بن جائیں۔ مادہ ۱ کی اس محدود دنیا کو روحانیت کو ایک بے پایاں جولان گاہ بنا دینا اسلام کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے اس سے نہ صرف زندگی کی فطری وحدت قائم ہوئی ہے بلکہ نیکی جو صدیوں سے خلوت کدوں میں دب کر بیٹھی ہوئی تھی دنیا کی رہنما قوت بن گئی اور شر و فساد و دنیا سے اس طرح ناپید ہوا جس طرح طلوع آفتاب کے وقت رات کی تاریکیاں کا خود ہو جاتی ہیں۔

نیکی اور پرہیزگاری کے خیالات کی نشر و شاعت قریب قریب ہر دور میں کی جاتی رہی ہے لیکن اس نیکی کے تقاضے کے لیے عملی جدوجہد صرف اسلام کے حصہ میں آئی۔ اسلام نے ایک طرف تو اسے ہر انسان کے دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کی اور دوسری طرف اس نے قوت کے زور سے ان موانع کو دور کیا جو اس کی توفیق

راہ میں حائل تھے۔ نیکی کو ایک کمزور حیثیت سے اٹھا کر اقتدار کے تخت پر متمکن کرنا اسلام کا انسانیت پر ایک احسانِ عظیم ہے۔

(باقی)
